

ریش۔ یہ بہت اچھا کیا۔ اس طرح اپنے عرض حال کا اچھا موقعہ رہے گا۔ دونوں آدمیوں نے بیٹھ کر ایک لمبی فہرست تیار کی اور دوسرے ہی دن سے ریش باہرے سامان ہم بیچنا شروع کیا۔ ان کی رسائی اچھے اچھے گھروں میں تھی۔ آرائش کی ایسی نفیس چیزیں فراہم کر کے لائے کہ سارا گھر جگمگا اٹھا۔ منشی دیا ناتھ بھی ان تیاروں میں شریک تھے چیزوں کو قریب سے سمجھنا ان کا کام تھا۔ کون مگلا کہاں رکھا جائے۔ کون تصویر کہاں لٹکا کی جائے کون قالین کہاں بچھا یا جائے۔ ان مسائل پر تینوں آدمیوں میں گفتگوں مناظرے ہوئے تھے۔ دفتر جانے سے پہلے اوڈھڑانے کے بعد تینوں اسی کام میں لگ جاتے۔ ایک دن اس بات پر بحث چھڑ گئی کہ کمرے میں آئینہ کہاں رکھا جائے۔ دیا ناتھ کہتے تھے کہ اس کمرے میں آئینہ کی ضرورت نہیں۔ آئینہ پیچھے والے کمرے میں رکھنا چاہیے۔ ریش کو اس سے اختلاف تھا۔ اور رادہ دہرے میں چپ چاپ کھڑا تھا۔ نہ ان کی سی کہہ سکتا تھا نہ ان کی سی۔

دیا ناتھ نے گرم ہو کر کہا۔ میں نے سینکڑوں انگریزوں کے ڈرائنگ روم دیکھے ہیں مگر کہیں آئینہ نہیں دیکھا۔ آئینہ غسل خانہ میں رکھنا چاہیے۔ یہاں آئینہ رکھنا بے ٹکی سی بات ہے۔

ریش نے اتنی سرگرمی سے جواب دیا۔ مجھے اتنے انگریزوں سے سابقہ تو نہیں پڑا۔ لیکن دو چار ہنگلے دیکھے ضرور ہیں۔ اور ان میں آئینہ لگا ہوا دیکھا۔ پھر اس کی ضرورت ہی کیا ہے کہ ہر ایک بات میں انہیں کی نقل کریں۔ ہم انگریز نہیں ہندوستانی ہیں ہندوستانی روادار کے کردار میں بڑے بڑے قد آدم آئینے لگے ہوتے ہیں۔ یہ تو آپ نے ہمارے بگڑے ہوئے بابوؤں کی سی بات کہی جو آرائش و لباس میں رفتار و گفتار میں، چائے و شراب میں غرض غالتی کی سمجھی باتوں میں انگریزوں کا منہ چڑھاتے ہیں۔ لیکن جن باتوں نے انگریزوں کو انگریز بنا دیا ہے اور جن کی بدولت وہ دنیا پر حکومت کرتے ہیں ان کی ہوا تک نہیں

لگنے دیتے۔ کیا آپ کو بھی بڑھاپے میں انگریز بننے کا شوق چڑایا ہے۔

دیانا تھ انگریزوں کی نقل کو بہت معیوب سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں بھی کوٹ نہیں پہنا تھا۔ چائے پیتے تھے۔ مگر عینی کے سیٹ کی قید نہ تھی۔ کٹورا، کٹوری گلاس، ٹوٹا۔ تسلا عرض کسی سے بھی اعراض نہ تھا۔ لیکن اس وقت تو انہیں بحث کی دھن سوار تھی۔ بولے۔ ہندوستانی رئیسوں کے کروں میں میزکریاں نہیں ہوتیں۔ فرش ہوتا ہے۔ آپ نے کرسی میز لگا کر اسے انگریزی طرز پر تو سمجھا دیا۔ آپ آئینہ کے دفعت ہندوستان کی مثال لے رہے ہیں۔ یا ہندوستانی رکھئے یا انگریزی! یہ کیا کہ آدھا تیر، آدھا بیڑ، کوٹ ٹیلوں پر جو گوشہ ٹوٹی تو اچھی نہیں معلوم ہوتی۔

رمیش بالوں نے سمجھا تھا کہ دیانا تھ جواب ہو جائیں گے لیکن یہ جواب سنا تو چکر اُٹے میدان ہاتھ سے جاتا ہوا دیکھائی دیا۔ بولے۔ تو آپ نے کسی انگریز کے کمرے میں آئینہ نہیں دیکھا۔ بھلا ایسے دس پانچ انگریزوں کے نام تو بتلیئے۔

ایک آپ کا وہی کرٹا ہیڈ کلرک ہے۔ اس کے سوا اور کسی انگریز کے کمرے میں تو آپ نے قدم بھی نہ رکھا ہوگا۔ اس کرٹے کو آپ نے انگریزی مذاق کا نو نہ سمجھ لیا۔ خوب! مانتا ہوں۔

دیانا تھ کچھ خفیف ہو کر بولے۔ یہ تو آپ کی زبان ہے۔ اُسے کرٹا چمڑیشن پیلٹی جو چاہیں کہیں۔ لیکن رنگ کو چھوڑ کر وہ کسی بات میں انگریزوں سے کم نہیں۔

رمیش اس کا جواب دینا ہی چاہتے تھے کہ ایک موٹر کھد دروازے پر آکر رُکی اور رتن برآمدے میں آئی۔ تینوں آدمی چٹ پٹ باہر نکل آئے۔ راکو اس وقت رتن کا آنا بُرا معلوم ہوا۔ ڈر رہا تھا کہ کہیں کمرے میں نہ چلی جائے۔ نہیں تو ساری قلعی کھل جائے آگے بڑھ کر ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔ آئیے۔ یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے دوست رمیش بابو ہیں۔ لیکن ان دونوں پہلے آدمیوں نے نہ اسی سے ہاتھ ملا یا اور نہ اپنی جگہ سے ہٹے۔

رتن نے بھی ان سے ہاتھ ملانے کی ضرورت نہ سمجھی۔ دُور ہی سے منکار کر کے رما سے بولی۔  
 میں بیٹیوں کی نہیں اس وقت فرصت نہیں ہے۔ آپ سے کچھ کہنا تھا یہ کہتے ہوئے وہ  
 رملے ساتھ موٹر تک آئی۔ اور آہستہ سے بولی۔ آپ نے مراد سے کہہ تو دیا ہوگا؟  
 رمانے برجستہ کہا۔ جی ہاں بنا رہا ہے۔

رتن۔ اس دن میں نے کہا تھا کہ روپے نہ دے سکو نگلی۔ پھر خیال آیا آپ کو  
 تکلیف ہو۔ اس لئے روپے کا انتظام کر لیا۔ آٹھ سو چاہیئے نہ؟  
 جالپا نے گنگن کے دام آٹھ سو بتائے تھے۔ رما چاہتا تو اتنے روپے لے سکتا تھا  
 لیکن رتن کی سادگی اور بے تکلفی نے جیسے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ بیوی پاروں سے دو دو  
 چار چار آنے لیتے ذرا بھی نہ جھجکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سب بھی گاہکوں کو منوڑتے ہیں۔ اپنا  
 کے ساتھ اسے اپنے طرز عمل میں کسی طرح تامل نہ ہوتا تھا۔ لیکن اس شرافت اور اخلاق  
 کی دیوی سے دغا کرنے کے لئے کسی پرانے باپ کی ضرورت تھی۔ کچھ شرانا ہو ابولا۔ کیا جالپا  
 نے گنگن کے دام آٹھ سو بتلائے تھے۔ انہی شاید یاد نہ رہی ہوگی۔ ان کے گنگن چھ سو  
 کے ہیں۔ آپ چاہیں تو آٹھ سو کے بنوادوں۔

رتن۔ نہیں! مجھے تو دہی پسند بھی آپ چھ سو کا ہی بنوایئے۔  
 اس نے موٹر پر سے اپنی پھیلی اٹھا کر سو سو روپے کے چھ نوٹ نکالے۔ رمانے کہا  
 ایسی جلدی کیا تھی چیز تیار ہو جاتی تو حساب ہو جاتا۔

رتن نے موٹر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ میرے پاس خرچ ہو جاتے۔ اس لئے میں نے  
 سوچا۔ آپ کے سر پر لا دوں۔ میری عادت ہے کہ جو کام کرتی ہوں جلد سے جلد کر ڈالتی  
 ہوں۔ تاخیر سے مجھے الجھن ہوتی ہے۔

موٹر چلی گئی۔ رما ردیہ لئے ہوئے اندھ چلا گیا۔ تو دونوں بڈھوں میں باتیں ہونے

لگن۔

ریش۔ دیکھا۔

دینا تھا۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ اب میرے گھر میں بھی یہی ہمارا ہی ہے۔  
ریش۔ میں تو اس میں کوئی ہرج نہیں سمجھتا۔ آج کل ایسی ہی عورتوں کا کام ہے ضرورت  
پڑنے پر کچھ مدت تو کر سکتی ہیں۔ بیمار پڑ جاؤ تو ڈاکٹر کو تو بلا سکتی ہے۔ یہاں تو چاہے مریجی  
جائیں۔ لیکن مجال کہ عورت گھر سے پاؤں نکالے۔

دینا تھا۔ ہم سے تو بھائی یہ انگریزیت نہیں دیکھی جاتی۔ کیا کریں اولاد کی محبت  
ہے نہیں تو یہی جی جاتا ہے کہ راسے صاف کہہ دوں بھئی۔ اپنا گھر الگ لے کر رہ۔ آنکھ  
بھونٹی پڑ گئی۔ دیکھ ایک دن یہ عورت وکیل صاحب کو دغا دے گی۔

ریش۔ آپ یہ کیوں مان لیتے ہیں کہ جو عورت باہر آتی جاتی ہے وہ ضروری خواب ہے  
مگر مانا تھا کو مانتی بہت ہے روپے نہ جلنے کیوں دیئے۔

دینا تھا بھئی تو کچھ دال میں کالا کالا نظر آتا ہے۔ رما کہیں اس سے کوئی چال نہ

چلی رہا ہو۔

رما اندر سے آ رہا تھا۔ یہ آخری جملہ اس کے کان میں پڑ گیا۔ ترش ہو کر بولا۔

جی ہاں۔ ضرور چال چل رہا ہوں۔ اسے دھوکا دے کر روپے اٹھ رہا ہوں۔ یہی تو میرا پیشہ  
ہے۔

دینا تھا نے شر مانتے ہوئے کہا۔ تو اتنا بگڑتے کیوں ہو میں نے تو کوئی ایسی بات

نہیں کہی۔

رما جھلسا زبنا دیا اور زیادہ کیا کہتے۔ آخر آپ کے دل میں ایسا شبہ کیوں آیا۔

آپ نے مجھ میں کونسی ایسی برائی دیکھی جس سے یہ خیال پیدا ہوا۔ میں ذرا صاف ستھرے کپڑے  
پہنتا ہوں۔ ذرا نئی تہذیب کا بیرو ہیں۔ اس کے سوا آپ نے مجھ میں کون سی برائی دیکھی  
جس سے یہ خیال پیدا ہوا۔ میں ذرا صاف ستھرے کپڑے پہنتا ہوں۔ ذرا نئی تہذیب کا

پیرو ہوں۔ اس کے سوا آپ نے مجھ میں کون سی برائی دیکھی؟ میں جو کچھ خرچ کرتا ہوں ایسا انداز کے ساتھ کما کر خرچ کرتا ہوں۔ جس دن دھوکے اور فریب کی نوبت آئے گی زہر کھا کر جان دے دوں گا۔ یہ بات ہے کہ کسی کو خرچ کرنے کی تیز ہوتی ہے کسی کو نہیں ہوتی۔ جب آپ کے دل میں میرے متعلق ایسے شبھے پیدا ہونے لگتے تو میرے لئے اس کے سوا اور کیا چارہ ہے کہ میں کالکھ لگا کر کہیں نکل جاؤں۔ ریش بابو یہاں موجود ہیں۔ آپ میری غیبت میں میرے متعلق جو کچھ چاہیں ان سے پوچھ سکتے ہیں۔ یہ میری خاطر جھوٹ نہ بولیں گے۔

رمانے یہ الفاظ کچھ اس صداقت انگیز جوش کے ساتھ کہے کہ نشی دیا ناتھ کے سارے شبہات حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ نادم ہو کر بولے۔ تمہارا بڑا جتنا ہوا خرچ دیکھ کر میرے دل میں شبہ ہوا تھا۔ میں اسے چھپاتا نہیں۔ لیکن جب تم کہہ رہے ہو کہ تمہاری نیت صاف ہے تو مجھے اطمینان ہے۔ میری صرف یہی فضا ہے کہ میرا لڑکا چاہے غریب رہے مگر نیت درست رکھے۔

ریش نے مسکرا کر کہا۔ اچھا یہ قصہ تو ہو چکا۔ اب یہ بتاؤ۔ اس نے تمہیں روپے کیوں دیئے۔

رمانہ ٹھگ لایا ہوں۔

ریش۔ مجھ سے شرارت کرو گے تو کان پکڑ لوں گا۔ اگر ٹھگ ہی لائے ہو تو بھی میں تمہاری پیٹھ ٹھونکوں گا۔ جیتے رہو۔ خوب ٹھگو۔ لیکن اگر پرہیز نہ آئے پائے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ ایشور سے تو میں ڈرتا نہیں۔ وہ جو کچھ پوچھے گا اس کا جواب میرے پاس موجود ہے مگر آدمی سے ڈرتا ہوں۔ سچ بتاؤ کس لئے روپے دیئے کچھ دلال ملنے والی ہو تو مجھے بھی شریک کر لیتا۔

رمانے اس طرح منہ بنا کر کہا۔ گویا کوئی ناگوار فرض اس کے سر ڈال دیا

گیا ہے ایک کلنگ بنوانے کو کہہ گئی ہیں۔

ریش۔ تو میں اس ایک اچھے صراف سے بنوادوں۔ مگر یہ جھنجٹ تم نے بڑا مول لیا۔ عورتوں سے ایسے بچائے۔ تم چلے دس پانچ روپے اپنے پاس ہی سے خرچ کر دو وہ بھی سمجھیں گی کہ مجھے ٹوٹ لیا۔

ذرا دیر بعد رانا اندر جا کر جا لیا سے بولا۔ رتن دیوی کلنگ کے روپے دے گئیں ہیں تم نے شاید آٹھ سو بتائے تھے میں نے چھ سو لے لئے۔  
جالپا نے سر جھکا کر کہا۔ میں نے تو دلی لگی کی تھی۔

جالپا نے اس طرح اپنی صفائی تو دے دی۔ لیکن بیت دیر تک اس کا دل اسے ملامت کرتا رہا۔ رملنے اگر آٹھ سو روپے لے لئے ہوتے تو شاید وہ اپنی کامیابی پر خوش ہوئی ہوتی۔ لیکن رما کی حق شناسی نے اس کے ضمیر کو بیدار کر دیا تھا۔ وہ پھٹا رہی تھی ناقص جھوٹ بولی سمجھے دل میں کتنا حقیر سمجھ رہے ہوں گے اور رتن نے تو دغا باز سمجھ ہی لیا۔

(۱۶)

چائے پارٹی میں کوئی خاص بات نہ ہوئی۔ رتن کے ساتھ ان کی ایک نشست کی بہن اور بھئی، وکیل صاحبہ نے آئے تھے۔ دیا ناتھ نے اتنی دیر کے لئے وہاں سے ٹل جانے ہی مناسب سمجھا۔ ہاں ریش باو برآمدے میں برابر کھڑے رہے۔ جالپا کی موجودگی میں وہ پارٹی میں شریک نہ ہو سکتے تھے۔

جالپا نے دونوں مہمانوں کو اپنی ساس سے ملا دیا۔ جاگیشری کزودہ دونوں ضرورت سے زیادہ بے تکلف معلوم ہوئیں۔ ان کے سامنے گھر میں ڈرنا۔ دھم دھم کر کے کھٹے پر جانا۔ چھت پر ادھر ادھر اچکنا قہقہے مارنا کہہنا انہیں ہر وہ گنگا بن

معلوم ہوتا تھا ان کے آئین اخلاقی میں بہو نیٹیوں کو متین اور شرمیلی ہو جانا چاہیے تھا۔  
تعجب یہ تھا کہ جالپا بھی آج اپنی سی گئی تھی۔

ابھی تک رما کو پارٹی کی تیاریوں میں سے اتنی فرصت نہیں ملی تھی کہ گنگو کی دکان  
تک جاتا۔ اس نے سمجھا تھا گنگو کو چھ سو روپے پچھلے حساب میں دے کر نئے کنگن بنوا  
لوں گا اس طرح میرا وقار جم جائیگا۔

دوسرے دن رما خوش ہونا گنگو کی دکان پر پہنچا اور رعب سے بولا۔ کیا رنگ  
ڈھنگ ہیں مہراج؟ کوئی نئی چیز بنوائی ہے؟

ادھر رما کے ٹال مٹول سے گنگو اتنبے دل ہو رہا تھا کہ آج کچھ روپے ملنے کی  
امید بھی اسے خوش نہ کر سکی۔ رشودہ میز انداز سے بولا۔ بابو صاحب چیزیں کتنی نہیں بکیں۔  
آپ نے تو دوکان پر آنا ہی چھوڑ دیا۔ اس طرح کی دکانداری ہم لوگ نہیں کرتے۔ آٹھ مہینے  
ہوئے آپ کے یہاں سے ایک پیسہ بھی نہ ملا۔

رما بھائی غامی ہاتھ دکان پر آئے شرم آتی تھی۔ ہم اُن لوگوں میں نہیں ہیں جن سے  
تقاضہ کرنا پڑے۔ آج یہ چھ سو روپے جمع کر لو۔ اور ایک اچھا کنگن تیار کر دو۔

گنگو نے روپے لے کر صندوق میں رکھے اور بولا۔ بن جائیں گے تو باقی روپے کب  
ملیں گے۔

رما۔ بہت جلد۔

گنگو۔ ہاں بابو جی پچھلا حساب صاف کر دیجئے۔

گنگو نے وعدہ تو کر لیا لیکن ایک بار دھوکھا چکا تھا۔ وہ دوبارہ کسی علت میں  
پھنستے ہوئے ڈرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رما روز تقاضے کرتا اور گنگو روز جیلے کر کے مٹاتا۔  
کبھی اس کا کاریگر بیمار پڑ جاتا۔ کبھی اس کے لڑکے بیمار پڑ جاتے۔ ایک مہینہ گزر گیا اور  
کنگن نہ بنے۔ اس کے تقاضوں کے ڈر سے رما نے پارک جانا چھوڑ دیا۔ مگر تن نے

گھر تو دیکھ ہی لیا تھا، اس ایک مہینے میں کئی بار تقاضا کرنے آئی۔ آخر جب ساون کا مہینہ آگیا تو اس نے ایک دن راسے کہا، جب وہ بدعاش نہیں بنا کر دنیا تو تم کسی دوسرے کاریگر کو کیوں نہیں دیتے؟

رمانے کہا۔ اس پاجھی نے ایسا دھوکا دیا کہ کچھ نہ پوچھئے۔ اور آجکل کیا کرنا ہے میں نے بڑی غلطی کی جو اسے پیشگی روپے دے دیئے۔

رتن۔ آپ مجھے اس کی دوکان دکھا دیجئے۔ میں اس کے باپ سے وصول کر لوں گی۔ ایسے بے ایمان آدمی کو پولیس میں دینا چاہیئے۔ جالپانے تائید کی۔ ہاں اور کیا۔ چیلے حوالے تو سمجھی کرتے ہیں۔ مگر ایسا نہیں کہ روپے ڈکار جائیں اور چیز کے لئے مہینوں دوڑائیں۔ رمانے سر کھجالتے ہوئے کہا۔ آپ دس دن اور صبر کریں۔ میں آج ہی اس سے روپے لے کر کسی دوسرے صراف کو دے دوں گا۔

رتن۔ آپ مجھے اس بدعاش کی دوکان کیوں نہیں دکھا دیتے۔ میں ہنٹر سے بات کروں گی۔

رمانہ کہتا تو ہوں دس دن کے اندر آپ کو کلنگ مل جائیں گے۔  
رتن۔ آپ خود ہی ڈھیلے آدمی ہیں اس کے جھانسون میں آجاتے ہیں، آپ ایک بار سخت پڑجاتے تو مجال تھی یوں چیلے حوالے کرتا۔  
آج رتن بڑی مشکل سے رخصت ہوئی۔ مگر کلنگوں نے صاف جواب دے دیا جب تک آدھے روپے پیشگی نہ مل جائیں، کلنگ نہیں بن سکتے۔ اور پچھلے حساب کا مبیاق ہونا لازمی تھا۔

رمانہ جیسے گوئی لگ گئی۔ بولار مہراج یہ تو شرافت نہیں ہے۔ یہ میرے ایک دوست کی فرمائش ہے میں نے ان سے دس دن کا وعدہ کیا تھا۔ سوچو میں انہیں کیا منہ دکھاؤں گا مجھ سے پروٹوٹ لکھا، لورٹا مپ لکھا، لورا اور کیا کر دے۔



گنگو۔ پر نوٹ کو شہر لگا کر چاٹوں گا؟ آٹھ مہینے کا ادھار نہیں ہوتا۔ آپ تو بڑے آدمی ہیں۔ آپ کے لئے پانچ چھ سو کی کوئی بات ہے۔ روپے لائیے۔ گنگن لے جائیے۔  
رمانے دانت پیس کر کہا۔ اگر یہ بات تھی تو تم نے ایک مہینہ پہلے ہی کیوں نہ کہہ دیا۔

گنگو۔ میں کیا جانتا تھا آپ اتنا بھی نہیں سمجھ رہے ہیں؟  
رمانا یوس ہو کر گھر لوٹ آیا۔ مگر اس وقت بھی اس نے سارا قصہ جا لپا سے صاف کہہ دیا ہوتا تو اسے چاہے کتنا ہی صدمہ ہوتا۔ اپنا گنگن اس کے حوالے کر دیتی۔  
لیکن رمانا صاف گونہ تھا۔ اپنی مانی پریشانیوں کا ذکر کر کے وہ اسے تشویش میں ڈالتا چاہتا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ رمانا کو سو روپے اوپر سے مل جاتے تھے اور وہ کفایت کرنا جانتا تو آٹھ مہینوں میں دونوں صرافوں کے آدھے آدھے روپے ادا کر دیتا۔ لیکن اوپر کی آمدنی تھی تو اوپر کا خرچ بھی۔ کوڑیوں سے روپے بنانا بیویاریوں ہی کا کام ہے۔ بابو لوگ تو روپے کی کوڑیاں ہی بناتے ہیں۔

شام کو رمانے پھر ایک بار صرافے کا چکر لگایا۔ بہت چاہا کہ کسی صراف کو جھانسا۔  
دون مگر کہیں دال نہ گئی۔ بازار میں تاریکی خبریں چلا کرتی ہیں۔

رمانا کو رات بھر نیند نہیں آئی۔ اگر آج کوئی مہاجن ایک ہزار کا اسٹامپ لکھا کر اسے پانچ سو روپے دے دیتا تو وہ اپنے کو خوش نصیب سمجھتا۔ مگر ایسے کسی مہاجن سے اسکا لین دین نہ تھا۔ اپنے ملنے والوں میں اس نے سبھی سے ہوا باز دھڑکھی تھی۔ ان کی تواضع اور تکریم میں بے دریغ روپے خرچ کرتا تھا۔ اب کس منہ سے اپنی داستان غم کہے۔ وہ کھپتا رہا تھا کہ ناحق گنگو کو روپے دیئے۔ گنگو نالش کرنے تو جاتا نہ تھا۔ اس وقت اگر رمانا کوئی علاقہ ہو جاتا تو وہ اس کا خیر مقدم کرتا۔ کم سے کم دس پانچ دن کی مہلت تو مل جاتی۔

گر بلانے سے تو موت بھی نہیں آتی۔ وہ تو اسی وقت آتی ہے جب ہم اس کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ایسا کوئی دوست بھی نظر نہ آتا تھا۔ جو اس کے نام کوئی فرضی تاریخ دے اور وہ یہاں سے کچھ دنوں کے لئے چلا جائے۔ وہ انہیں ترددات میں کروٹیں بدل رہا تھا کہ جالپا کی آنکھ کھل گئی۔ زمانے فوراً چادرِ زمان کی گویا بے خبر سو رہا ہے۔ جالپا نے چادرِ شبہ سے اٹھا کر اس کا منہ دیکھا، نیند اور بیداری کا فرق اس سے چھپا نہ رہا۔ اسے ہلا کر بونی کیا ابھی تک جاگ رہے ہو؟

رمار نیند کا بیان نہ کر سکا۔ نہ جانے کیوں نیند نہیں آرہی ہے۔ پڑے پڑے سوچتا تھا کچھ دنوں کے لئے کہیں باہر چلا جاؤں اور کچھ روپے کمالاؤں۔  
”مجھے بھی لیتے چلو گے نہ؟“

”میں پر دیں میں کہاں کہاں لئے ہے پھروں گا۔“

”تو میں اکہلی یہاں رہ چکی۔ ایک منٹ نہ رہوں گی۔ مگر جاؤ گے کہاں؟“  
ابھی کچھ فیصلہ نہیں کر سکا۔

”تو سچ سچ تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟ مجھ سے تو ایک دن نہ رہا جائے گا۔ میں سمجھ گئی مہینے مجھ سے محبت نہیں ہے۔“

”تمہاری محبت کی زنجیر ہی نے مجھے باز رکھا ہے۔ نہیں تو اب تک کبھی کا چلا گیا ہوتا۔“

”باقی بنا رہے ہو۔ اگر تمہیں میری محبت ہوتی تو مجھ سے کوئی پردہ نہ رکھتے تمہارے دل میں ضرور کوئی ایسی بات ہے جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو۔ میں تمہیں کئی دنوں سے ہمیشہ متفکر دیکھتی ہوں۔ جہاں اعتبار نہیں ہے وہاں محبت کیسے رہ سکتی ہے؟“

”یہ تمہارا شبہ ہے جالپا۔ میں نے تو تم سے کبھی پردہ نہیں کیا۔“

”تو تم مجھے سچ سچ دل سے چاہتے ہو؟“

”یہ کیا جب منہ سے کہوں گا جب ہی“

”اچھا میں ایک سوال کرتی ہوں، تم مجھے کیوں چاہتے ہو؟ سچ بتانا“  
 ”یہ تو بالکل پہلے سوال ہے، اگر میں تم سے یہی سوال پوچھتا تو تم مجھے کیا جواب

دیتیں“

”میں تو جانتی ہوں“

”بتاؤ“

”پہلے تم بتلا دو“

”میں تو جانتا ہی نہیں، صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم میرے وجود کے ایک ایک

ذرے میں بسی ہوئی ہو“

سوچ کر بتاؤ میں اپنے عیبوں سے واقف ہوں، میں نے اب تک تمہاری  
 کوئی خدمت نہیں کی، خوش قسمتی سے اب تک مجھے تمہارے لئے کوئی قربانی کی ضرورت  
 نہیں پڑی۔ گھر کے کام دھندے مجھے آتے ہیں جو کچھ سیکھا یہاں سیکھا، بات چیت  
 کرنے کا مجھے سلیقہ نہیں، اتنی حسین بھی نہیں ہوں پھر تمہیں مجھ سے کیوں محبت ہے؟  
 رہانے سر کھلاتے ہوئے کہا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ ایمان سے کہتا ہوں۔ تم میں  
 کوئی عیب ہے یا کوئی خامی ہے۔ یہ بات آج تک میرے ذہن میں نہیں آئی۔ لیکن  
 تم نے مجھ میں کوئی بات دیکھی؟ نہ میرے پاس دولت ہے نہ علم ہے نہ صورت ہے  
 بتلاؤ تو پھر“

جاپانے محبت آمیز نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ بتلا دوں؟ تم بہت نیک ہو۔  
 جب میں یہاں آئی تو کوئی بات کہتے یا کرتے وقت مجھے خوف ہونا تھا کہ تم اسے پسند  
 کرو گے یا نہیں۔ اب مجھے اس بات کا یقین رہتا ہے کہ تم مجھ سے ناراض نہ ہو گے  
 اگر تمہارے عوض میری شادی کسی دوسرے آدمی سے ہوئی ہوتی تو میں اس کے ساتھ

بھی اسی طرح رہتی رہے تو شوہر اور بیوی کا رواجی رشتہ ہے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ رواجی رشتہ روحانی رشتہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اب تو میں تمہیں گوپیوں کے کرشن سے بھی نہ بدلوں گی لیکن تمہیں اب بھی مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔

رمانے سر نیچا کر کے کہا۔ تمہارا الزام بے جا ہے۔ جا لیا میں دوستوں سے بھی کوئی پردہ نہیں رکھتا۔ پھر تم سے کیا پردہ رکھوں گا۔ رما کے جی میں ایک بار پھر آیا کہ اپنی پریشانیوں کی سرگزشت کہہ سکے۔ لیکن جھوٹی خود داری نے پھر اس کی زبان بند کر دی۔

جا لیا اس سے پوچھتی۔ مہراؤں کو روپے دیئے جاتے ہو کہ نہیں۔ تو وہ برابر کہتا ہاں کچھ نہ کچھ سہرے دیتا جاتا ہوں۔ لیکن آج رما کی فکر مندی نے اس کے دل میں ایک شبہ پیدا کر دیا تھا۔ وہ اسی شبہ کو مٹانا چاہتی تھی۔ ذرا دیر بعد اس نے پوچھا۔ مہراؤں کے روپے تو ابھی ادا نہ ہوئے ہونگے۔

”اب غھوڑے ہی باقی ہیں۔“

”کتنے ہی باقی ہونگے۔ کچھ حساب کتاب لکھتے ہو۔“

”ہاں لکھتا کیوں نہیں ہوں۔ سات سو سے کچھ کم ہی ہوں گے۔“

”تم نے کہیں رتن کے روپے تو مہراؤں کو نہیں دے دیئے۔“

رما کا دل کانپ رہا تھا۔ کہیں جا لیا رتن کے روپوں کا ذکر نہ کر بیٹھے۔ آخر وہ اس کے سر پر آ ہی گیا۔ اس وقت بھی اگر رمانے ہمت کر کے سارا واقعہ بیان کر دیا ہوتا تو اس کی پریشانیوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ جا لیا ایک منٹ تک ضرور سکتے میں آ جاتی۔ ممکن ہے غصہ اور مایوسی کے عالم میں اس کی زبان سے دوچار کڑی باتیں بھی نکل جاتیں۔ لیکن پھر دونوں مل کر کوئی نہ کوئی راستہ نکالی لیتے۔ اگر مجبوری کی حالت میں جا لیا اپنی سہیلی سے یہ واقعہ بیان کر دیتی۔ تو رتن وہ عورت نہ تھی جو غم و غصہ کا اظہار کرتی۔ پر اس جھوٹی

خود پروری کا براہ ہو۔ رمانے اس سوال پر ایسا منہ بنایا گو یا جا لپانے اس پر کوئی بے رحمانہ حملہ کیا ہے بولار تن کے روپے کیوں دیتا۔ آج چاہوں تو دو چار ہزار کا مال لاسکتا ہوں کاریگروں کی عادت دیر کرنے کی ہوتی ہے بس اور کوئی بات نہیں ہے۔ دس دن میں یا تو چیزیں لادوں گا یا روپیہ واپس کر دوں گا۔ مگر تم نے یہ سوال کیوں کیا۔ پرانی رقم بھلا میں اپنے خرچ میں کیسے لاتا؟

جا لپانے معذرت کے لہجہ میں کہا۔ کچھ نہیں میں نے یونہی پوچھا تھا۔ جا لپا کو کھوڑی دیر میں تنید آگئی۔ لیکن رہا پھر اسی ادھیڑ بن میں پڑا رہا اگر وہ رمیش کو اپنا محرم راز بنا لیتا تو وہ کسی مہاجن سے روپوں کا انتظام کر دیتے۔ لیکن وہ ان پر کسی طرح اپنی پریشانیوں کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے صبح کو ناشتہ کر کے دفتر کی راہ لی شاید وہاں کچھ انتظام ہو جائے۔ کیوں انتظام کرے گا۔ اس کا اسے مطلق خیال نہ تھا۔ لیکن بالیوسی کے عالم میں انسان کو کسی غیبی امداد کا گمان ہونے لگتا ہے۔ دفتر میں چپڑاسی کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ رہا دفتر کا رجسٹر کھول کر رقموں کی جانچ کرنے لگا۔ کئی دنوں سے میزان نہیں دیا گیا تھا۔ لیکن بڑے بابو کے دستخط موجود تھے اب میزان دیا تو دھائی ہزار نکلے۔ یکا یک اسے ایک تدریس سوجھی۔ کیوں نہ دھائی ہزار کے عوض میزان میں ڈھائی سو کر دے۔ ایک ہی صفر کا نو معاملہ ہے۔ رسید ہی کی جانچ پڑتال کون کرنا ہے۔ اگر چوری پکڑی بھی گئی تو کہہ دوں گا میزان میں غلطی ہوئی۔ مگر اس خیال کو اس نے دل میں جھٹے نہ دیا۔

گاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ مگر بیویاریوں نے حب دیکھا کہ بابو صاحب آج موجود ہیں تو سو جاہل جلدی سے چنگی دے کر فراغت پالیں۔ رمانے اس عنایت کے لئے دستور کی دگنی رقم وصول کی۔ اور گاڑی والوں نے شوق سے دی۔ کیونکہ یہی بازار کا وقت تھا اور بارہ ایک بجے تک چنگی گھر سے فرصت پانے کی حالت میں چومیں

گھنٹے کا ہرج ہوتا تھا۔ بازار دس گیارہ بجے کے بعد بند ہو جاتا تھا اور دوسرے دن کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔ اگر بازار روپے میں آدھ پاؤ بھی گر گیا تو سیکڑوں کے وارے نیا دے ہو گئے۔ دس پانچ روپے مل کھا جانے میں انہیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ راکو آج یہ نئی بات معلوم ہوئی۔ سوچا آخر صبح کو میں گھر پر ہی تو بیٹھا رہتا ہوں۔ اگر یہاں آکر بیٹھ جاؤں تو روز دس پانچ ماٹھا آجائیں۔ پھر تو چھ مہینے میں سارا قرضہ صاف ہو جائے گا۔ مانا روز یہ چاندی نہ ہوگی پندرہ نہ سہی دس ملیں گے۔ اگر صبح کو روز پانچ روپے مل جائیں اور اتنے ہی دن بھر میں اور مل جائیں تو پانچ چھ مہینے میں قرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ اس نے دروازہ کھول کر پھر جبر لکالاہ لیکیں میزان لگا دینے کے بعد جبر میں کسی قسم کا تغیر یا تبدل کرنا اسے اتنا خوفناک نہ معلوم ہوا۔ نیا رنگروٹ جو پہلے بندوق کی آواز سے چونک پڑتا ہے مشاق ہو جانے پر گویوں کی بارش میں نہیں گھبراتا۔

رما دو فتر بند کر کے گھر جانے والا ہی تھا کہ ایک بساطی کا ٹھیلہ آہنچا درمانے کہا۔ لوٹ کر چنگی لوں گا۔ بساطی نے منہ میں کرنی شروع کیں۔ اسے کوئی بہت ضروری کام تھا۔ آخر دس روپے پر معاملہ طے ہوا۔ رمانے چنگی فی روپے حبیب میں رکھے اور گھر چلا گئے۔ پچیس روپے محض دو گھنٹے میں آگئے۔ اگر ایک مہینہ بھی یہی اوسط رہے تو بیڑا بارہ سے اسے اتنی خوشی ہوئی کہ وہ کھانا کھانے گھر نہ گیا۔ بازار سے بھی کچھ نہ منگوایا۔ روپیہ بھناتے ہوئے اسے ایک روپیہ کم ہو جانے کا اندیشہ ہوا۔ وہ شام تک بیٹھا کام کرتا رہا۔ چار روپے اور وصول کئے۔ چراغ جلے حبیب وہ گھر چلا تو اس کے دل پر سے فکر اور مایوسی کا بوجھ بہت کچھ اتر چکا تھا۔ اگر دس دن یہی تیزی رہی تو رتن سے منہ چڑانے کی نوبت آئے گی۔

نودن گزر گئے۔ رماروز علی الصبح دفتر جانا اور چراغ جلے لوٹا۔ وہ روز بھی امید کر کے جاتا تھا کہ آج کوئی بڑا شکار پھنسنے گا۔ مگر کبھی امید پوری نہ ہوئی۔ اتنا ہی نہیں پہلے دن کی سی شاندار کامیابی پھر نہ ہوئی۔ تاہم اس کے لیے کچھ کم فخر کی بات نہ تھی کہ ان دنوں میں اس نے سو روپے جمع کر لئے تھے۔ جا لیانے کئی بار سیر کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن رٹنے اسے برابر باتوں میں ٹال دیا۔ بس کل کا دن اور باقی تھا کل رتن آ کر کنگن مانگے گی تو وہ اسے کیا جواب دے گا۔ دفتر سے آ کر وہ اسی فکر میں بیٹھا ہوا تھا۔ کیا وہ ایک مہینے کی مہلت اور نہ دے گی۔ اتنے دن وہ اور خاموش رہے تو شاید رما اس کے قرض سے سبکدوش ہو جائے۔

ساون کے دن تھے اندھیرا ہو چلا تھا۔ آسمان سیاہ چھتری کی طرح سر پرتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ رما سوچ رہا تھا ریشی بابو کے پاس چل کر دو چار بازیاں کھیل آؤں مگر بادلوں کو دیکھ دیکھ کر رک جاتا تھا۔ دفعۃً رتن آ پہنچی اس کا چہرہ تڑخا معلوم ہوتا تھا آج وہ رٹنے کے لئے تیار ہو کر آئی ہے اور ملاحظہ اور مروت کے خیال کو بھی قریب نہیں آنے دینا چاہتی۔

جا لیانے اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ تم خوب آئیں بہن۔ میں ذرا تمہارے ساتھ گھوم آؤں گی۔ انہیں کام کے بوجھ سے آجکل سر اٹھانے کی بھی فرصت نہیں ہے رتن نے بے اعتنائی سے کہا۔ ”مجھے آج بہت جلد گھر واپس جانا ہے بابو جی کو کل کی یاد دلانے آئی ہوں۔“

رما اس کا ٹھکا ہوا منہ دیکھ کر دل میں سہم رہا تھا۔ کسی طرح باتوں میں لگا کر خوش کرنا چاہتا تھا بڑے تپاک سے بولا۔ جی ہاں خوب یاد ہے۔ ابھی صراف کی دکان سے چلا آ رہا ہوں۔ روز صبح شام گھنٹہ بھر حاضری دیتا ہوں۔ مگر ان چیزوں کی تیاری میں وقت بہت صرف ہوتا ہے دو آدمی لگے ہوئے ہیں۔ مگر ابھی شاید ایک مہینے سے

کم میں چیز تیار نہ ہو، ہاں ہوگی لا جواب! ان چیزوں میں دام تو کارگیری کے ہیں، رعایت چاہے کچھ ہو یا نہ ہو۔

رتن ذرا بھی نہ نگھلی۔ تنک کر بولی۔ اچھا ابھی مہینہ بھر اور لگے گا۔ ایسے کیا موتی پرور ہا ہے کہ تین مہینہ میں بھی ایک چیز نہ بنی؟ آپ اس سے کہہ دیجئے میرے روپے واپس کر دے۔ امید کے کنگن دیوایاں پہنتی ہیں۔ مجھے ضرورت نہیں۔

رما۔ ایک مہینہ نہ لگے گا شاید اس سے پہلے ہی بن جائے۔ ایک مہینہ تو میں نے اندازاً کہہ دیا تھا اب تھوڑی ہی کسر اور رہ گئی ہے۔ کئی دن تو لینگینے تراش کرنے میں لگ گئے۔

رتن۔ مجھے کنگن پہننا ہی نہیں ماحصب! آپ میرے روپے واپس کر دیجئے۔ جوہری میں نے بہت سیکھے ہیں۔ آپ کی عنایت سے اس وقت بھی تین جوڑے کنگن میرے پاس ہونگے مگر ایسی دھاندلی کہیں نہیں دیکھی۔

دھاندلی کے لفظ پر رما تلملا اٹھا۔ دھاندلی نہیں میری حماقت کہئے۔ مجھے کیا ضرورت تھی کہ مفت کی دھمت سر لیتا۔ میں نے تو پینگی روپے اس لئے دیئے کہ صراف خوش ہو کر جلد تیار کر دے گا۔ اب آپ روپے واپس مانگ رہی ہیں۔ مجھے امید نہیں کہ صراف روپے لوٹا دے۔

رتن نے ختم گئیں آنکھوں سے دیکھ کر کہا۔ روپے کیوں نہ لوٹا دے گا؟ رما۔ اس لئے کہ جو چیز آپ کی فرمائش سے بنائی جا رہی ہے اسے وہ کہاں بیچتا پھرے گا۔ ممکن ہے اس کے بکنے میں سال دو سال لگ جائیں۔ ہر ایک کی ہند ایک سی نہیں ہوتی۔

رتن نے تیوری چڑھا کر کہا۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ اس نے وعدہ خلافی کی ہے اس کا تاوان دے مجھے کل یا تو کنگن لاد دیجئے یا روپے۔ اگر صراف سے آپ



کایا راند ہے اور آپ ملاحظہ اور مروت کے باعث اس سے کچھ نہیں کہہ سکتے تو مجھے اس کی دکان دکھا دیجئے۔ اس میں بھی آپ کو شرم آتی ہے تو اس کا نام بتا دیجئے۔ میں پتہ لگا لوں گی۔ واہ اچھی دل لگی ہے، وہ ہے کسی خیال میں۔ دکان نیلام کرالو لگی جیل بھجوا دوں گی۔

رما کھیا کر زمین کی طرف تاکنے لگا۔ وہ کتنی منحوس ساعت تھی جب اس نے رتن سے روپے لئے۔ بیٹھے بٹھائے درد سر خریدار۔

جالپانے کہا۔ سچ تو ہے۔ انہیں کیوں نہیں صراف کی دکان پر لے جاتے چیز کو آکھوں سے دیکھ کر انہیں تسلی ہو جائے گی۔

رتن۔ میں وہ چیز اب پینا ہی نہیں چاہتی۔  
رما۔ اچھی بات ہے۔ آپ کو روپے مل جائیں گے کل۔

رتن۔ کل کس وقت؟

رما۔ دفتر سے لوٹتے وقت لیتا آؤں گا۔

رتن۔ روپے پورے لوں گی۔ ایسا نہ ہو سو روپے دے کر ٹال دے۔  
رما۔ کل آپ اپنے سب روپے لے جائیے گا۔

یہ کہتا ہوا وہ مردانے کمرے میں آیا۔ اور ریش بابو کے نام ایک رقعہ لکھ کر گوپی سے بولا۔ اسے ریش بابو کے پاس لے جا کر فوراً جواب لاؤ۔  
پھر اس نے دوسرا رقعہ لکھ کر بٹھمر کو دیا۔ کہ مانک داس کو دکھا کر جواب لا دے۔

بٹھمر نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ پانی آ رہا ہے۔  
رما۔ تو کیا ساری دنیا بہہ جلے گی۔ دوڑتے ہوئے جاؤ۔  
بٹھمر۔ اور جو وہ گھر پر نہ ملیں۔

”میں گے وہ اس وقت کہیں نہیں جاتے۔“

آج زندگی میں پہلا موقع تھا کہ اس نے دوستوں سے روپے قرض مانگے منت و سماجت، خوشامد و اصرار کے جتنے الفاظ اسے یاد آئے وہ اس نے سب صرف کر دیئے جیسے رقعے آج اس نے لکھے، ویسے ہی رقعے اس کے پاس کتنی بار آچکے تھے۔ ان رقعوں کو بڑھ کر اس کا دل کتنا بے قرار ہو جاتا تھا، پر مجبوری کے باعث اسے بہانے کرنے پڑتے تھے۔ کیا ریش بھی بہانہ کر جائیں گے۔ وہ تہی دستی کا بہانہ نہیں کر سکتے کیا میرے ساتھ اتنا سلوک بھی نہ کریں گے۔ آدھ گھنٹہ ہو گیا اور اب تک دو میں سے ایک بھی نہیں آیا۔ وہ دروازے پر ٹپکتے لگا۔ اس اضطراب کی حالت میں مہینا مشکل تھا، رتن کی موٹر اب تک کھڑی تھی۔ اتنے میں رتن باہر آئی لگاتار سے ٹپکتے دیکھ کر بھی نہ بولی۔  
موٹر روانہ ہو گئی۔

رمانے راستہ کی طرف نگاہیں دوڑا کر سوچا دونوں کہاں رہ گئے۔ کہیں کھیلنے لگے ہوں گے، شیطان تو ہیں ہی۔ کہیں ریش روپے دے دیں تو چاندی ہے، میں نے دو سونا حتی مانگے شاید اتنے روپے اس وقت ان کے پاس نہ ہوں۔ مانگ چاہے تو ہزار پانچو دے سکتا ہے۔ آج دونوں کی آزمائش ہے۔ اگر آج انہوں نے انکار کیا تو دوستی کا خاتمہ ہے کسی کا نوکر نہیں ہوں کہ جب وہ شرط بچ کھیلنے کے لئے بلائیں تو دوڑا چلا جائے۔

بشمہر نے لوٹ کر مانگ داس کا رقعہ دیا۔ اس نے لکھا تھا میں آج کل بہت تنگ دست ہوں۔ میں تو تمہیں سے انگنے والا تھا۔

رمانے پر زہ پھاڑ کر پھینک دیا۔ خود غرض کہیں کا۔ اگر کسی سب ان پکڑنے روپے مانگے ہوئے تو پر زہ دیکھتے ہی لے کر دوڑے جاتے۔ خیر دیکھا جائے گا۔ چنگی کے لئے

مال تو آئے گا ہی۔ اس کی کسر نکل جائے گی۔

اتنے میں گوی بھی ٹوٹا رہی تھی نے لکھا تھا میں نے اپنی زندگی کے دو چار اصول بنائے ہیں اور ان کی بڑی سختی سے پابندی کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ دوستوں سے لین دین کا تعلق نہ پیدا کرونگا۔ ابھی تمہیں تقریب نہیں ہوا ہے، لیکن میں بھوک چکا ہوں تم میرے پیارے دوست ہو میں نہیں چاہتا کہ میرے اور تمہارے ارتباط میں غلط پیدا ہو۔ اس لئے مجھے معاف کرو۔

رمانے اس خط کو بھی پڑھ کر پھینک دیا۔ اور کرسی پر بیٹھ کر چراغ کی طرف محویت کے عالم میں دیکھنے لگا۔ اس چراغ کی لڑکے اندر رہش اور مانگ اور رتن تینوں بیٹھے نظر آتے تھے پھر وہ چراغ اس کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

دل کا حالت وہ بھی ہوتی ہے جب آنکھیں کھلی ہوتی ہیں اور کچھ نظر نہیں آتا۔ جب کان کھلے ہوتے ہیں اور کچھ سنا نہیں پڑتا۔

## (۱۸)

شام ہو گئی تھی میونسپلٹی کے احاطے میں ساٹھا چھا گیا تھا محلے ایک ایک کر کے جا رہے تھے۔ مہتر کروں میں جھاڑو لگا رہا تھا۔ خواجہ والے دن بھر کی بکری کے پیسے گن رہے تھے مگر مانا تھا اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا رجسٹر لکھ رہا تھا۔

آج بھی وہ صبح ہی آیا تھا۔ مگر کوئی بڑا شکار نہ پھنسا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اب اپنی آبرو کیسے بچائے۔ آخر اس نے رتن کو جھاننا دینے کی ٹھانی۔ وہ خوب جانتا تھا کہ رتن کی یہ بے مہربانی محض اس لئے ہے کہ وہ سمجھتی ہے کہ میں نے اس کے روپے خرچ کر ڈالے۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ اس کے روپے عند الطلب مل سکتے ہیں تو اسے تسکین ہو جائے گی۔ رمانا اسے روپیہ سے بھری تھیلی دکھا کر اس کا شبہ مٹا دینا چاہتا تھا۔

وہ خزانچی صاحبہ کے چلے جانے کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اسی لئے آج اس نے دیر کی تھی۔ آج کی آمدنی کے ڈیرھ سو روپے اس کے پاس تھے اسے وہ اپنے گھر لے جانا چاہتا تھا۔ خزانچی صاحبہ ٹھیک پانچ بجے اٹھ گئیں کہیں کیا غرض تھی کہ رات سے آج کی آمدنی طلب کرتے۔ روپے گنتے ہی سے چھٹی نہ ملی۔ دن بھر روپے گنتے گنتے اور لکھتے لکھتے بے چارے کی کمر دکھ رہی تھی۔ رات کو جب معلوم ہو گیا کہ خزانچی صاحبہ دو دن تک گئے تو اس نے رجسٹر بند کیا اور چپڑا اسی سے بولا۔ تھیلی اٹھاؤ چل کر جمع کراؤ۔

چپڑا اسی نے کہا۔ خزانچی صاحبہ تو بہت دور چلے گئے۔  
 رات نے آنکھیں بھاڑ کر کہا۔ خزانچی صاحبہ چلے گئے۔ تم نے مجھ سے کہا کیوں  
 نہیں۔ ابھی کتنی دور گئے ہوں گے۔  
 سڑک کی ٹکڑ تک پہنچے ہوں گے۔  
 ”تو یہ آمدنی کیسے جمع ہوگی۔“  
 ”حکم ہو تو بلا لاؤں۔“

رات نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ اجی جاؤ بھی اب تک تو کہا نہیں۔ اب انہیں آدھے  
 راستے سے بلانے جاؤ گے۔ کیا آج زیادہ چھان گئے تھے۔ خیر روپے اسی دراز میں  
 رکھ دو۔ تمہاری نگرانی رہے گی۔

چپڑا اسی نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ نہیں بابو صاحبہ میں یہاں روپے نہیں رکھنے  
 دوں گا۔ صبح دن برابر نہیں جاتے۔ کہیں روپے اٹھ جائیں تو میں بے گناہ مارا جاؤں  
 رات نے پوچھا۔ تو پھر یہ روپے کہاں رکھوں؟  
 چپڑا اسی۔ حضور اپنے ساتھ لیتے جائیں۔

رات تو یہ چاہتا ہی تھا۔ ایک بیک منگوا یا اس پر روپوں کی تھیلی رکھی اور گھر  
 چلا۔ سوچتا جاتا تھا اگر رتن بھبکی میں آگئی تو کیا پوچھنا۔